☆ ڈاکٹر سید محمد اکرم

محمود غزنوی اور محمود شیرانی

پروفیسر محمود شیرانی نے ادب میں تحقیق کا ایک غیر معمولی معیار قائم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ تاریخی اور ادبی مسائل خواہ کتنے ہی پیچیدہ اور مبہم کیوں نہ ہوں انہیں وسیع مطالعہ اور دقت نظر سے حل کیا جاسکتا ہے۔ پروفیسر شیرانی کا تحقیقی و تنقیدی سرمایہ متعدد دفتروں پر محیط ہے ان میں ایک تصنیف "شاہنامے پر چار مقالے" ہے جس کے مطالعہ سے ان کی بہترین ناقدانہ صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

شاہنامہ فردوسی فارسی ادب کا ایک شاہکار ہے جسے فردوسی نے ۴۰۰ھ میں مکمل(۱) کیا اور سلطان محمود غزنوی سے منسوب کیا تاکہ وہ اسے شایان شان انعام سے نوازے۔ لیکن مشہور ہے کہ سلطان محمود نے بوجوہ فردوسی کو خاطر خواہ انعام نہ دیا بلکہ صرف پچاس ہزار درہم دیئے جس پر فردوسی نے رنجیدہ ہو کر محمود کی ہجو لکھی اور دارالسلطنت غزنہ سے چلا گیا۔

شاہنامہ فردوسی میں رستم و سہراب کی داستان نہایت دل آویز انداز میں بیان ہوئی ہے۔ رستم کے ہاتھوں سہراب کی موت شاہنامہ کے پڑھنے والوں کے لیے ایک المیہ ہے چنانچہ اسے ہمیشہ بڑی دلچسپی سے پڑھا گیا اور فردوسی کو بجا طور پر ایک غیر معمولی شاعر قرار دیا گیا۔ قارئین نے جب یہ دیکھا کہ فردوسی جیسے عدیم النظیر شاعر کو محمود نے انعام سے محروم رکھا تو یہ ان کے لیے دوسرا المیہ بن گیا۔ چنانچہ وہ محمود کو برا بھلا کہنے کے لیے فردوسی کی کہی ہوئی ہجو کا سہارا لیتے رہے اور اپنے غم و غصے کا بھرپور اظہار کرتے رہے۔ لیکن اچانک ایک واقعہ یہ سامنے آیا کہ شاہنامہ کے قارئین کو انتہائی متاثر کرنے والی عظیم تاریخی ہجو کو جو گزشتہ ایک ہزار سال سے مستحکم ہوتی چلی آرہی تھی، پروفیسر محمود شیرانی نے بیک قلم غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیا۔ اس طرح شاہنامہ کے قارئین کے لیے ہجو کا بے بنیاد ثابت ہونا تیسرا المیہ بن گیا، کیونکہ وہ فردوسی کی انعام سے محرومی پر محمود غزنوی کو کسی طرح بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

☆ صدر شعبہ اقبالیات پنجاب یونی ورسٹی لاہور

ہجو کا قصہ بنانے والا چھٹی صدی ہجری کا ایک مشہور ادیب نظامی عروضی سمرقندی ہے۔ اس نے اپنی کتاب، "مجمع النوادر" میں جو "چہار مقالہ" کے عنوان سے معروف ہے محمود غزنوی سے متعلق کئی نادر مگر خود ساختہ باتیں بیان کی ہیں۔ نظامی عروضی کا بیان ہے کہ حاسدوں نے فردوسی کو رافضی اور معتزلی ثابت کر کے سلطان کو صرف پچاس ہزار درہم دینے پر راضی کر لیا۔

"محمود با آن جماعت تدبیر کرد کہ فردوسی را چہ دھیم؟ گفتند:

پنجاہ ہزار درم و این خور بسیار باشد کہ او مردی رافضی است.....

..... وسلطان محمود مردی متعصب بود (۲)

فردوسی یہ انعام ایک حمامی اور فقاعی میں تقسیم کر کے راتوں رات غزنہ سے فرار ہو گیا اور ہرات میں ازرقی کے باپ اسماعیل وراق کے ہاں ٹھہرا اور چھ ماہ تک وہاں چھپا رہا۔ محمود کے جاسوس طوس میں اسے تلاش کرتے رہے اور پھر ناکام لوٹ گئے۔

فردوسی نے جب اپنے آپ کو محفوظ محسوس کیا تو طوس پہنچا پھر شاہنامہ اٹھا کر شہریار والی طبرستان کے ہاں گیا جو یزدگرد کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں فردوسی نے محمود کی ہجو میں ایک سو شعر کہے اور شہریار کو پڑھ کر سنائے نیز کہا کہ میں یہ کتاب محمود کے نام کی بجائے تیرے نام سے منسوب کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ یہ تیرے آباواجداد کے احوال و آثار سے متعلق ہے۔ شہریار فردوسی کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آیا اور کہا کہ "محمود میرا آقا ہے لہٰذا تو شاہنامے کو اسی کے نام سے منسوب رہنے دے۔ ہجو مجھے دے تاکہ میں اسے صفحہ کاغذ سے دھو ڈالوں۔ اس کے عوض میں تجھے کچھ رقم دے دیتا ہوں۔ اگلے روز شہریار نے ایک لاکھ درم بھیجے اور کہا کہ میں نے تیرا ہر شعر ایک ہزار درہم کے عوض خرید لیا ہے۔ اب تو وہ سو شعر مجھے دے دے۔ فردوسی نے وہ شعر بھیج دیئے۔ چنانچہ انہیں شہریار کے حکم سے دھو دیا گیا۔ ان میں سے یہ چھ شعر بچ گئے:

مرا غمز کردند کان پر سخن
بہ مہر نبی و علی شد کہن
اگر مہرشان من حکایت کنم
چو محمود را صد حمایت کنم
پرستار زادہ نیاید بکار
وگر چند باشد پدر شہریار

ازین در سخن چند رانم همی؟
چو دریا کرانه ندانم همی
به نیکی نبد شاه را دستگاه
وگرنه مرا برنشاندی بگاه
چو اندر تبارش بزرگی نبود
ندانست نام بزرگان شنود (۳)

نظامی کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق فردوسی نے محمود سے پچاس ہزار درہم لینا پسند نہ کیا' لیکن شہریار سے ایک لاکھ درہم لینے پر آمادہ ہو گیا اور وہ بھی اپنے ایک سو شعروں کے عوض یعنی فردوسی صرف پچاس ہزار درم زائد لے کر راضی ہو گیا۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بیان کیا ہو سکتا ہے؟

پروفیسر شیرانی رقم طراز ہیں کہ دیباچہ قدیم اور چہار مقالہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان محمود بوجہ اختلاف مذہبی فردوسی سے ناراض ہوا اور فردوسی نے سلطان کی ہجو لکھی(۴)

"فریقی تنافر کا یہ قعر عمیق جو سنی اور شیعہ کو فی زمانہ جدا کر رہا ہے' اس وقت حائل نہیں تھا۔ دونوں فرقوں میں تعلقات خوشگوار تھے اور خود سلطان کی دختر امیر منوچہر والی طبرستان کو بیاہی گئی تھی جو شیعہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا(۵) دوسرے سلطان محمود کے دربار میں ہر مذہب و ملت کے شخص کا گزر تھا۔ جو بادشاہ ہندوؤں کو اپنے لشکر میں اعلیٰ عہدے دے سکتا تھا' کیا وہ ایک شیعہ شاعر کی موجودگی کا اپنے دربار میں روا دار نہ ہوتا۔ بالخصوص جب کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسی سلطان نے ایک اور شیعہ شاعر یعنی غضائری رازی کو پیل بار انعام بخشی کی(۶) ابو ریحان البیرونی ایک اور شیعہ فاضل کو خود محمود نے خواہش کر کے اپنے دربار میں بلایا۔

پروفیسر شیرانی رقم طراز ہیں "بقول دیباچہ قدیم ہجو کل دو تین اشعار پر محدود تھی' لیکن ہم ان اشعار سے واقف نہیں ہو سکے۔ بقول نظامی عروضی وہ کلمہ چھ شعر ہیں۔ ان چھ شعروں میں دو شعر شاہنامہ سے سرقہ کئے گئے ہیں۔ پہلا "پرستار زادہ نیاید بکار" دوسرا "ازیں در سخن چند رانم همی" یہ وجہ ہے کہ نظامی کے قول کو ہم بداعتقادی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس عقیدے پر قائم ہو جاتے ہیں کہ ابتدا میں ہجو کی کوئی اصلیت نہیں تھی اور یہ کہ اس کا آغاز فردوسی کے زمانہ کے بعد ہوا(۷) مزید لکھتے ہیں : پرستار زادہ والا شعر شاہنامہ میں نوشیروان کے باب میں موجود ہے' نیز محمود کی ماں زابل کے امیر کی دختر تھی' وہ کوئی کنیز نہ تھی۔ مذکورہ ہجو

سراسر لغو ہے۔ مختلف زمانوں میں مختلف جگہوں سے اشعار اکٹھے کئے ہیں جن کی کہیں تعداد کچھ ہے اور کہیں کچھ۔ ہجو کیا ہے شاہنامہ خواں دنیا کا انتقام ہے سلطان محمود غزنوی کے خلاف' کیوں کہ وہ کسی شخص واحد کی تصنیف نہیں' بلکہ اس کے قصر کی تعمیر میں ساری قوم نے ہاتھ بٹایا ہے اور اس اس کی تکمیل میں کئی صدیاں گزری ہیں(۸) محمد قزوینی لکھتے ہیں "نظامی عروضی سلاطین غوری کا خاص ملازم تھا۔ اس نے اپنی تصنیف چہار مقالہ اسی سلسلے کے ایک شاہزادہ ابوالحسن حسام الدین علی کے نام سے منسوب کی۔ غوری سلاطین نے غزنویوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس خاندان کے ایک مشہور سلطان علاء الدین حسین غوری نے جو "جہاں سوز" کے نام سے مشہور ہوا غزنہ میں قتل عام کیا اور محمود کی بنائی ہوئی عمارات کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔ نظامی نے چہار مقالہ میں اس کا نام کئی مقامات پر لیا ہے' وہ چہار مقالہ کی تصنیف کے دوران زندہ تھا۔ (۹)

اس سے ظاہر ہے کہ نظامی عروضی محمود غزنوی کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنے والا نہیں تھا۔ نظامی عروضی نے اپنے غوری آقاؤں کو راضی کرنے کے لیے اور محمود کی شخصیت کو ناپسندیدہ قرار دینے کے لیے متعدد حکایات وضع کی ہیں جن سے وہ محمود کو متدین کہنے کے باوجود متعصب' عیاش' ضدی اور خسیس ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ چہار مقالہ کے بین السطور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامی عروضی ایک افسانہ باف قسم کا ادیب تھا جو بات بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی کئی باتیں تاریخ سے بعید ہیں' چناچہ علامہ محمد قزوینی نے چہار مقالہ کو اس کی ادبی اہمیت کے ساتھ ساتھ تاریخی اعتبار سے اغلاط کا پلندہ قرار دیا ہے۔ قزوینی کے الفاظ ہیں:

"از تتبع و تصفح دقیق چہار مقالہ معلوم می شود کہ نظامی عروضی باوجود علو مقام وی درفضائل و تقدم وی در فنون ادبی' درفن تاریخ ضعیفی نمایان داشتہ و اغلاط تاریخی از قبیل تخلیط اسماء اشخاص مشہور بیک دیگر و تقدیم و تاخیر سنوات و عدم دقت در ضبط وقائع و ذالک از وی بسیار صادر شدہ(۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ نظامی نے اگرچہ فردوسی کے حوالے سے محمود کی شخصیت کو پست کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن دیکھا جائے تو اس نے فردوسی جیسے رفیع الفکر اور غیور شاعر کو جو ایران کی قدیم تاریخ' ثقافت اور ملی روح کو زندہ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے اور اس نے ساری عمر اس عظیم کام کی تکمیل میں صرف کر دی تھی ہجو گو اور حریص آدمی بنا کر اپنی پست طبعی کا اظہار کیا ہے۔

فردوسی نے متعدد مقامات پر محمود کی مدح کی ہے۔ وہ اپنے تقریباً ساٹھ ہزار شعروں میں انعام نہ ملنے کی وجہ کہیں بھی محمود کا تعصب بیان نہیں کرتا' بلکہ یہ بتاتا ہے کہ کسی حاسد نے اس کے معاملہ میں ایسی کاروائی کی جس سے وہ بادشاہ کے حضور میں مقبول نہ ہو سکا' کہتا ہے:

چنین شہریاری و بخشندہ ای
بگیتی ز شاہان درخشندہ ای
نکرد اندریں داستانہا نگاہ
ز بدگوی و بدبخت آمد گناہ
در افتاد بدگوی درکار من
تبہ شد بر شاہ بازار من

یہ فردوسی کی اخلاقی عظمت ہے کہ جس شخص کی بدخواہی اور دشمنی کی بنا پر وہ محمود سے خاطر خواہ انعام نہ پاسکا اس نے اس کا نام تک نہیں بتایا اور نہ ہی محمود کے لیے کوئی غیر شائستہ لفظ استعمال کیا' بلکہ اسے دنیا کے بادشاہوں میں فیاض اور ممتاز قرار دیا-- پروفیسر شیرانی لکھتے ہیں "یہ امر فردوسی کی شریف طبیعت کے منافی تھا کہ وہی محمود جس کی اس نے اپنی ضخیم کتاب میں بے شمار موقعوں پر مدح خوانی کی ہے' جس کا تن بقول فردوسی زندہ پیل ہے اور روح جبرئیل ہے' اس کا ہاتھ ابربہار اور دل دریائے نیل ہے۔ جو بزم میں آسمان وفا اور رزم میں تیز دم اژدھے کی مثال ہے' جو بھیڑ اور بھیڑیے کو ایک گھاٹ سے پانی پلاتا ہے' زمانہ اس کے طفیل سے سدا بہار بن گیا ہے اور جس کی برکت سے بارش وقت پر آتی ہے' گہواروں میں شیرخوار بچے اس کا نام لیتے ہیں اور چاند ستارے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ صرف صلہ سے محرومی کی حالت میں جس کے لئے محمود نے کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لی تھی' محمود کی اس طرح سے مذمت کرتا ہو جو پاجیوں اور بازاریوں کا طریقہ ہے[۱۱] محمود کی مدح میں فردوسی کے اشعار قابل ملاحظہ ہیں:

جہاندار محمود شاہ بزرگ
بہ آبشخور آرد ہمی میش و گرگ
زکشمیر تا پیش دریای چین
برو شہریاران کنند آفرین

چو کودک لب از شیر مادر شست
بہ گہوارہ محمود گوید نخست
بہ تن زندہ پیل و بہ جان جبرئیل
بہ کف ابر بہمن، بہ دل رودنیل(۱۲)

شاہنامہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی ضرورت مند تھا لیکن مال و دولت کا حریص نہ تھا اور نہ ہی وہ دولت کے لئے اخلاقی بلندیوں سے نیچے اترنے والا تھا۔ علامہ اقبال اس حوالے سے اس کی بے نیاز طبیعت کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں دیتے شعلہ شرر کے عوض
یہ کہتا ہے فردوسی دیدہ ور
عجم جس کے سرمے سے روشن بصر
ز بہر درم تند و بدخو مباش
تو باید کہ باشی درم گو مباش(۱۳)

سلطان محمود کی وفات ۴۲۱ھ کے بعد فردوسی چند سال زندہ رہا۔ وہ چاہتا تو محمود کی مدح میں اپنے کہے ہوئے بہترین اشعار جو شاہنامہ کا حسن مقدمہ بنے ہوئے ہیں خارج کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہ کیا بلکہ وہ ہمیشہ محمود کا مداح رہا اور حقیقت یہ ہے کہ فردوسی ہی محمود کا سب سے بڑا مداح ہے۔ محمود کے بعد متعدد اہل فکر و نظر نے محمود کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ فرخی سیستانی جو اس کے دربار کا ایک بلند پایہ قصیدہ نگار تھا محمود کی وفات کے بعد بھی اسے یاد کرتا رہا، اس نے غزنی کو محمود کے بغیر دیکھ کر دکھ کا اظہار کیا:

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار
چہ فتاد است کہ امسال دگر گون شدہ کار

اسی طرح ابو ریحان البیرونی جسے ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا ابو علی سینا کا ہم پایہ قرار دیتے ہیں(۱۴) محمود کی وفات کے بعد اپنی معروف تصنیف "کتاب الہند" میں محمود کے نام کے ساتھ کبھی رحمتہ اللہ علیہ اور کبھی رضی اللہ عنہ لکھتا ہے(۱۵) چھٹی صدی ہجری کے بلند پایہ عارف حکیم سنائی غزنوی جو رومی و اقبال کے عظیم ممدوح بھی ہیں محمود کا نام نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

کعبہ و سومنات چون افلاک
شد ز محمود و از محمدؐ پاک (۱۶)

حکیم سنائی کے بعد عظیم عارف فرید الدین عطار ہیں جنہوں نے اپنی متعدد مثنویات میں جابجا محمود کا ذکر کیا ہے اس کی جنگوں کو غزوات کہا ہے اور اسے ترویج اسلام کا خاص باعث قرار دیا ہے۔(۱۷) اسی طرح ساتویں صدی ہجری میں مولانا جلال الدین رومی مثنوی شریف میں بیان کرتے ہیں کہ محمود ہندوؤں پر بھی مشفق اور مہربان تھا۔ مولانا رومی نے بھی محمود کی جنگوں کو غزوات سے تعبیر کیا ہے(۱۸)

سلطان محمود کے متعلق علامہ اقبال نے مفصل اظہار خیال کیا ہے۔ وہ نادر شاہ کی دعوت پر ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ کو افغانستان گئے اور غزنی میں سلطان محمود کے مزار پر حاضر ہوئے "مثنوی مسافر" میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"محمود کی شمشیر بجلی کی طرح شعلہ افشاں تھی۔ اس کا پرچم روئے زمین پر اللہ تعالی کی ایک آیت تھا۔ اس کی قبر پر فرشتے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں :

زیر گردون آیت اللہ را
قدسیان قرآن سرا بر تربش(۱۹)

پروفیسر براؤن نے محمود غزنوی کے بارے میں بڑے عدم توازن کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس نے نظامی عروضی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فردوسی کی ہجو کا سہارا لیا اور محمود کو کمینہ، خسیس، متعصب اور اغوا کنندہ کہا(۲۰)

پروفیسر براؤن کے اس معصبانہ رویے کے دو سبب ہیں، ایک تو اس نے نظامی کے بیانات خصوصاً فردوسی سے متعلق ہجو کے قصے کو بغیر کسی تحقیق کے مستند سمجھ لیا جو پروفیسر شیرانی کی تحقیق کے مطابق جعلی ثابت ہوا۔ دوسرے براؤن نے ہندوؤں کو جو اس وقت انگریزوں کی کالونی ہندوستان کے باشندے تھے راضی کرنے اور ان کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے کے لیے محمود کو اپنی دشنام طرازی کا ہدف بنانا مناسب سمجھا، چنانچہ موصوف کے الفاظ ہیں :

"یہ محمود اعظم، حامی اسلام، فاتح ہندوستان، بت پرستی کا بے رحم دشمن یمین الدولہ، غلام ابن غلام تھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے فردوسی نے اس تلخ ہجو میں بھرپور استفادہ کیا"(۲۱)

محمود کے بارے میں ایران معاصر کے ایک مورخ عبداللہ رازی کے الفاظ ہیں :

"یہ سلطان عادل اور متدین تھا۔ اس نے ارباب علم و معرفت کو اپنے دربار میں جمع کیا اور

شعراء کو بہت انعامات دئے۔ مشہد میں امام رضا علیہ السلام کے روضہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ چونکہ طوس کے لوگ حضرت امام رضا کے روضہ اقدس کے زائرین کو تکلیف پہنچاتے تھے' سلطان نے سختی سے منع کیا کہ کوئی ایسی زیادتی نہ کرے۔ غور اور ہندوستان میں سلطان محمود کی جنگوں کو جہاد اور احکام اسلام کی ترویج سے تعبیر کیا گیا ہے"(۲۲)

سر ولزلے ہیگ کا بیان ہے : "وہ پہلا شخص تھا جو وسطی ہند میں پرچم اسلام اٹھا کر گیا۔ اس نے اپنے آنے والوں کے لیے راستہ صاف کر دیا"(۲۳)

یہ ہے محمود غزنوی جس کے حق میں محمود شیرانی نے از روئے تحقیق قلم اٹھایا اور ثابت کیا کہ محمود متعصب نہیں' نظامی عروضی متعصب تھا جس نے اس کے خلاف بوجوہ افسانہ بافی کی اور پھر براؤن نے اپنے قومی مفادات کے پیش نظر نظامی کے اقوال پر حاشیہ آرائی کی جو راہ انصاف سے انحراف ہے۔

حواشی

۱۔ زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار
کہ من گفتم ایں نامہ نامدار
(فردوسی)

۲۔ نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ قاہرہ ۱۳۲۷ ص ۴۷

۳۔ ایضاً ص ۴۸

۴۔ محمود شیرانی۔ فردوسی پر چار مقالے' دہلی۔ ۱۹۴۲ ص ۲۸

۵۔ ایضاً ص ۳۰ ۶۔ ایضاً ص ۱۴۰

۷۔ ایضاً ص ۴۲ - ۴۳ ۸۔ ایضاً ص ۹۰

۹۔ محمد قزوینی' مقدمہ چہار مقالہ ' صفحہ ہفت

۱۰۔ ایضاً صفحہ ہشت

۱۱۔ فردوسی پر چار مقالے ص ۳۲

۱۲۔ شاہنامہ فردوسی ' جلد اول - تہران ۱۳۴۵ ص ۱۳

۱۳۔ اقبال - بال جبریل لاہور ۱۹۶۲ ص ۲۱۳

۱۴۔ ذبیح اللہ صفا' تاریخ ادبیات در ایران جلد اول تہران ۱۳۳۸ ص ۳۳۹

۱۵۔ ابوریحان البیرونی' کتاب الہند' جلد اول لاہور ۱۹۹۴ ص ۱۴۰ و ۱۷۲

۱۶۔ محمد قاسم فرشتہ' تاریخ فرشتہ لاہور ۱۹۷۴ ص ۱۳۵

۱۷۔ دیکھئے شیخ فریدالدین عطار اور حکایات سلطان محمد بقلم حافظ محمود شیرانی اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۲۵ نیز دیکھئے تذکرۃ الاولیاء - تہران ص ۱۷۲

۱۸۔ مثنوی معنوی ' دفتر ششم' اسلام آباد ۱۹۷۸' ص ۱۴۶

۱۹۔ اقبال ' مثنوی مسافر' کلیات اقبال' ص ۶۳

20. E.G. Browne Literary History of Persia, Vol, II Cambridge 1964, P-95 to 98

۲۱۔ ایضاً - ص ۹۶۰

۲۲۔ عبداللہ رازی- تاریخ مفصل ایران' تہران ص ۱۸۵

23. Sir Wolseley Haig, Cambridge History of India Vol-III P-26